ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

اکیسویں صدی کے چیلنجز اور اردو شعرا کی بصیرت

THE CHALLENGES OF 21ST CENTURY AND THE PREDICTIONS OF URDU POETS

1.Muhammad Tahir Bostan Khan

Lecturer urdu Cadet college swat

2.Dr, Ajmal Khan

Asstt Professor Deptt Urdu University of Swat

3.Dr Roohul Amin

Lecturer Deptt Urdu Islamia College Peshawar

ABSTRACT

Poets serve as the eyes and ears of the nation. As they minutely observe not only the explicit aspects but the emplicit , too. The incidents taking place today, have already been predicted by these visionary poets. Dr Allama Muhammad Iqbal,s name is the top of the list. Having been inspired by Iqbal. The rest of the poets also have carried on spetulating and predicting the present time. In fact Iqbal not only pointed out the our prevalent issues but also gave away the solution to these defiant problems of the muslim ummah.

KEY WORDS:

Incidents Emplicit spetulating Defiant Prevalent Explicit Minutely Aspects Predicted Inspired

اکیسویں صدی بہت سارے چیلنجز ساتھ لے کر آئی ہے۔ان میں ادب کا تجزیہ بھی وقت کی اہم ضرورت ہے۔اُردو ادب میں جہاں نثری اصناف جیسے ناول،افسانہ اور ڈراما کا اہم کردار رہا ہے،اس طرح اُردو شاعری بھی اکیسویں صدی کے تقاضوں کو پورا کر رہی ہے۔یوں اُردو نظم نثر کے مقابلے میں اکیسویں سے بہت متاثر ہوئی،یہی وجہ ہے کہ نظم گو شعرا کے کلام میں دورِ جدید کے مسائل کی نہ صرف نشاندہی کی گئی ہے بل کہ پر اثر اندازہیں ان کا حل بھی تجویز کیا گیا ہے۔اگر ہم اقبال کو غور سے پڑھیں تو معلوم ہو جائے گا کہ انہوں نے اکیسویں صدی کی یلغار کی پہلے سے پیش گوئیاں کی ہیں۔یوں ان کے بعد آنے والے شعرا بھی جدید چیلنجز سے باخبر ہیں،اس لیے ان کے کلام میں بھی مختلف موجوعات کے تحت کسی نہ کسی چیلنج کو سامنے رکھا گیا ہے۔اس طرح اکیسویں صدی میں داخل شعرا جو مسائل منظرِ عام پر لا رہے ہیں ان میں ایک اہم مسئلہ دہشت گردی ہے۔اگرچہ اُردو شاعری مظلوم رہی ہے تاہم اس میں گل و بلبل کی داستانوں،زلف اور عشق و عاشقی کے علاوہ معاشرے کے نئے مسائل کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔اس مقالہ میں اکیسویں صدی کے چیلنجز اور اُردو شعرا کی بصیرت کے حوالے سے سیر حاصل بحث کی جا رہی ہے۔

پروفیسر آل احمد سُرور شاعری کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

> ’’شاعری فلسفہ نہیں بل کہ شاعری کی مخصوص بصیرت سوال کر کے جوابوں کے لیے ذہن کو اکساتی ہے۔شاعر دو اور دو چار کی زبان میں بات نہیں کرتا۔اس کے رمز و ایما کے طلسم میں گنجینۂ معنی کو تلاش کرنا چاہیے۔‘‘ (۱)

کشور ناہید دورِ جدید کی ابھرتی ہوئی شاعرہ ہیں۔ان کی نظم ''خوف کی دستک'' میں دہشت گردی کا ایسا دردناک منظر پیش کیا گیا ہے جس کے سننے کے لیے فولادی کانوں کی ضرورت ہے۔وہ کہتی ہیں کہ اب ہمارے بچے لوری سے نہیں بل کہ گولیوں کی آواز سن کر سو جاتے ہیں، ہمارے بچے لاشیں دیکھنے سے اب نہیں گھبراتے، وہ ان باتون کے عادی ہو چکے ہیں، اور ان کا یہی عادی پن مستقبل کے لیے خطرناک ہے۔وہ کہتی ہیں۔

چھاتیوں سے لگے بچوں کو
لوریاں نہیں، گولیاں سن کر نیند آنے لگی ہے
گھروں اور گلیوں میں لاشے نہ دیکھیں
تو چیخ اٹھتے ہیں
بات کرنا بھولنے والے بچے، صرف چیختے ہیں (۲)

جیسے کہ ہم سب جانتے ہیں کہ اکیسویں صدی جہاں دیگر چیلنجز ساتھ لے کر آئی ہے وہاں دہشت گردی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔زیڈ اے بخاری سمجھتے ہیں کہ ان تما چیلنجوں میں سب سے بڑھ کر جو خطرناک چیلنج ہے وہ دہشت گردی کا خاتمہ ہے۔ان کے کہنے کے مطابق موت تو ہر حال میں آنی ہے لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ شہر کے شہر تباہ ہو جائیں، کیا ہم انسانوں کی اپنے شہر میں بسنے کا حق نہیں؟ وہ کہتے ہیں۔

ہاں موت سبھی کو آنی ہے ہم سب کو مرنا ہے لیکن
اس شہر میں زندہ رہنے کا بھی کوئی ہے امکاں کچھ تو کہو (۳)

بشریٰ رحمان آج کے دور میں دوغلی پالیسی اختیار کرنے والوں سے مخاطب ہیں، کہتی ہیں کہ عجیب بات ہے ہمارے بعض غدّار اصل میں قاتل ہوتے ہیں لیکن ان کی چالا کی دیکھیں کہ کہ منصف بننے کی کوشش بھی کرتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ میری یہ چالاکی لوگوں پر جادو کا کام کرے گی لیکن اصل میں ایسا نہیں۔شاعرہ نے اس شعر میں ایسے لوگوں کو اشارتاً نہیں بل کہ کھل کر کہا ہے کہ تم ہمیں دھوکے میں نہیں رکھ سکتے۔

قاتل بھی مدعی بھی ہیں منصف بھی آپ ہی
کس کس ادا پہ آپ کی قربان جایئے (۴)

وصی شاہ بھی دہشت گردی کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نجانے آدم کی نسل کشی کیوں کی جا رہی ہے۔ہم پر جو جنگ مسلّط کی گئی ہے اس کا آخر فائدہ ہی کیا۔اس جنگ میں کیسے کیسے پھول کی طرح خوب صورت چہرے بے نور ہو گئے اور یہ جنگ محض ہمارے وطن تک محدود نہیں بل کہ تمام برصغیر اور اس کے ملحقہ علاقوں کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔

نسلِ آدم کے مقدر میں صرف گولی ہے
تو بھی سنتی ہے ناں، بندوق کہیں بولی ہے
میرے لوگوں پہ مسلط ہوئی جاتی ہے یہ جنگ
دیکھ یہ پھول سے چہرے ہوئے کیسے بے رنگ
دیکھ قندھار، یہ بغداد، فلسطیں، کشمیر
ہائے کیا خواب تھے، لاشیں ہوئیں جن کی تعبیر (۵)

شجاعت علی راہیؔ کا شمار ملک کے اچھے شعرا میں ہوتا ہے۔انہوں نے بھی اس ملک کی تباہی و بربادی کا ذکر کیا ہے۔انہیں بھی یہ غم کھائے جا رہا ہے کہ ہم پر جو دہشت گردی مسلّط ہے، اس کا کمان کس کے ہاتھ میں ہے، یہاں سردار کون ہے اور سروں کا سودا کرنے والا کون ہے؟۔وہ سیدھے سادے لفظوں میں یہی کہنا چاہتے ہیں کہ یہاں جو دہشت گردی ہو رہی ہے ٹھیک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہو رہی ہے۔

اس قافلے کا قافلہ سالار کون تھا

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

سردار کون۔۔۔یعنی سرِدار کون تھا(۶)

دہشت گردی نے اس ملک کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔آئے دن یہاں کوئی نہ کوئی ناخوشگوار واقعہ رونما ہوتا ہے جس کی تمام ترذمہ داری دہشت گرد قبول کر لیتے ہیں۔گل بخشالوی ؔنے ان حالات کا دل موہ لینے والے انداز میں جو نقشا کھینچا ہے وہ ملاحظہ ہو۔

چلا ہوں میں گھر سے پڑھوں گا جنازہ

دھماکے کا امکاں بھی ہے زیادہ

مجھے دفن کرنے کو چاہو جو ٹکڑا

بدن پر مرے نقش کر دو نشانی

سنو اہلِ گلشن، لہو کی کہانی(۷)

بشریٰ رحمان آج کے انسان کو عمل کی طرف راغب کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ اے انسانو! تم کب تک خوابِ غفلت میں پڑے رہو گے۔اصل میں بشریٰ رحمان اس انسان کی تصویر پیش کرتی ہے جو حالات سے تنگ آ گیا ہو، جس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہو۔اس لیے تو کہتی ہیں کہ اے آج کے دورِ جدید کے انسان اگر تم چاہو تو توان کٹھن حالات میں قوم کا ساتھ دے سکتے ہو۔

کچھ تو نئے چراغ جہاں میں جلائیے

اپنے نقوشِ پا کو ستارے بنائیے(۸)

اس شعر میں ڈاکٹر آنسہ احمد سعید اپنے لوگوں کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہتی ہیں کہ تم نے سخت حالات کا مقابلہ کیا ہے، اب تمہیں حوصلہ ہارنے کی کوئی ضرورت نہیں، تم اپنی عزت دوسروں کے قدموں میں نہ رکھو بلکہ اُٹھو اور عملِ پیہم کے ذریعے آنے والی نسل کے لیے کچھ کر کے دکھاؤ۔

دستار اپنے سر کی نہ سر سے اتاریئے

منزل بہت قریب ہے ہمت نہ ہاریئے(۹)

حمیرا شمع رضوی کا نام بھی اکیسویں صدی کے چیلنج قبول کرنے اور ان چیلنجز کو سامنے رکھ کر ان کا مقابلہ کرنے والی شاعرات کی لسٹ میں شامل ہے۔اپنی نظموں میں انہوں نے انسانوں کو عمل پر ابھارا ہے۔وہ کہتی ہیں کہ اے انسانو! تم ماضی میں جھانک کر نہ دیکھو بلکہ آنے والے حالات کا ڈٹ کا مقابلہ کرو، تم اپنے زنگ آلود خیالات کی طرف کوئی دھیان نہ دو۔اب عمل کا وقت آ گیا ہے اس لیے اب تمہیں ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیوں کہ یہ نئی صدی ہے اس صدی کے تقاضوں کو پورا کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

مسکراؤ غم حالات کو ٹھوکر مارو

صبح کی بات کرو رات کو ٹھوکر مارو

سوچ نگری میں کوئی تازہ ہوا آنے دو

زنگ آلود خیالات کو ٹھوکر مارو

کوئی ملبوس ارادوں کو نیا پہناؤ

اب تو مجبور سے جذبات کو ٹھوکر مارو(۱۰)

ذیل کے اشعار میں گل بخشالوی ؔنے تلخ حقائق کی نشاندہی کی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ ایک طرف ملک میں لوگ خود کشی کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں اور حکومتِ وقت کے خلاف ریلیاں نکالی جاتی ہیں جب کہ دوسری طرف مردہ ضمیر لوگ اپنے آقاؤں سے ان غریبوں کے سروں کا سودا کر کے روپوں کی تھیلیاں لینے میں مصروف ہیں۔وہ بڑے افسوس کے ساتھ کہتے ہیں کہ اب تو ہمیں اتنا اندازہ ہوا ہے کہ یہ ملک اب ہمارے ہاتھوں سے جانے والا ہے۔ان کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

خود کشی خود کش اور ہیں بس ریلیاں

لے رہے ہیں اپنے آقاؤں سے بھر بھر تھیلیاں

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

ہیں اشارے پر کسی کے خون کی یہ ریلیاں
اب تو لگتا ہے کہ اپنا دیس بھی مہمان ہے
دیکھنا وقت بھی نے یہ پاکستان میں(۱۱)

عمل کی طرف راغب کرنا

اس منظر نامے میں اقبالؔ کا نام بھی سرِ فہرست ہے۔ وہ عمل کا پیغام دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے انسان تیرے سامنے جدید زمانے کے چیلنجز موجود ہیں، تم یہ نہ سمجھو کہ بس میں آرام سے رہ رہا ہوں، تمہیں عشق کے امتحان اور بھی سامنے پڑے ہیں، اے دورِ جدید کے انسان! تم نے زندگی کو تلاش کرنا ہے، کسی اور کے لیے نہیں بل کہ صرف اپنے لیے ۔اقبال کہتے ہیں۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
اپنے من میں ڈوب کر پا جا سُراغِ زندگی
تُو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن(۱۲)

ضیا جعفریؔ کی وسیع النظری دیکھیں۔ وہ ہم میں جدید جیلنجوں کے قبول کرنے کی قوت پیدا کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ زمانہ کچھ بھی کہے ہمیں اپنی ہمت آزمانی چاہیے، ہم نے انسانی زندگی کو آسائشوں سے مزیّن کرنے کے لیے اپنی قوت بڑھانی ہو گی۔ وہ یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ تاریکی کے بعد روشنی ضرور آتی ہے، اس لیے اے لوگو! ہمت سے کام لو اور دورِ جدید کے چیلنجز کھل کر قبول کر کے معاشرے میں اپنا نام اور مقام پیدا کرو۔

بڑھو کہ رنگ زمانہ بدلیں، چلو چلو ہمت آزمائیں
جنوں کی لو اور تیز کر دیں فسردہ شمعوں کو پھر جلائیں
یہ قاعدہ ہے سحر سے پہلے عروج ہوتا ہے ظلمتوں کا
مگر اٹھ اے فطرت درخشاں چراغ قلب و نظر جلائیں(۱۳)

اکیسویں صدی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنا اور تماشا کرنے کا وقت نہیں بل کہ یہ چیلنجز کے قبول کرنے کا زمانہ ہے۔ اس خیال کو مظفر وارثی نے گویا خوب جانچا تھا، اس لیے انہوں نے اپنے اشعار میں اس کی پیش گوئی پہلی کی ہے۔ اس حوالے سے وہ آج کے انسان کو عمل کی طرف راغب کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

تمہیں زمانے کی پرورش میں کچھ اپنا حصہ بھی ڈالنا ہے
اُٹھا تو لو زندگی کے نخرے پھر اہتمامِ وفات کرنا(۱۴)

سید ضمیر جعفری کی بصیرت دیکھیں کہ وہ ملک میں اپنوں کی نااتفاقی دیکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ نجانے یہ کیسا نظام ہے کہ نہ تو ہمارا آئین اپنا ہے اور نہ ہی کوئی قانون ہے۔ ہماری بے اتفاقی دیکھیں کہ ہم ایک قدم بھی ساتھ چلنے سے مجبور ہیں لیکن کہتے نظر آتے ہیں کہ ہم باہمی اتفاق سے رہتے ہیں، میں نہیں سمجھتا کہ آخر یہ کیسا اتفاق ہے۔ ان کے خیالات ملاحظہ ہوں۔

نہ منشور اپنا نہ دستور اپنا
قدم راہ چلنے سے معذور اپنا
مگر شور ہے دُور سے دُور اپنا
گلا کام کرتا بھرپور اپنا(۱۵)

اکیسویں صدی کے چیلنجز میں اتفاق کا قیام ہمارے لیے بہت بڑا چیلنج ہے، تاریخ کے اوراق کا مطالعہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ اتفاق کے بغیر قومیں مٹ چکی ہیں۔ اس لیے اکیسویں صدی میں داخل شعرا نے اتفاق کو قائم کرنے پر بڑا زور دیا ہے۔ کشور ناہیدؔ اپنی نظم ''فاصلوں کا اتصال'' میں اس حوالے سے یوں کہتی ہیں۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

کبھی میں نے بوندوں کو آپس میں
لڑتے نہیں دیکھا
وہ ایک دوسرے کے پیچھے آتی ہیں
اور زمین کی پیاس کو کونابود کر دیتی ہیں
میں نے دیکھا ہے، ہوا جب لڑتی ہے
طوفان بپا کر دیتی ہے
موجیں، جب ایک دوسرے پہ بھرتی ہیں
سیلاب کی طرح بہہ نکلتی ہیں(۱۶)

احمد فراز اتفاق قائم رکھنے کے حوالے سے کہتے ہیں کہ آپس میں اتفاق قائم کرو اور کسی ظالم، جابر کے لیے خود کو تقسیم کرنے سے باز آجاؤ۔ احمد فراز کی علمی بصیرت کو دیکھیں کہ انہوں نے اس منظر نامے کی پیش گوئی پہلے سے کی ہے کہ ایک وقت ایسا بھی آئے گا جب بیرونی قوتیں ہم میں باہم نااتفاقی پیدا کرنے کی کشش کریں گی، ان کی بات درست نکلی ہم بیرونی ساشوں کا شکار ہو رہے ہیں۔

اے مرے سوختہ جانو مرے پیارے لوگو
کسی ظالم کسی قاتل کسی غاصب کے لیے
خود کو تقسیم نہ کرنا مرے سارے لوگ(۱۷)

اکیسویں صدی کے چیلنجز میں ناانصافی کا خاتمہ بھی غور طلب ہے چیلنج ہے۔ جس معاشرے میں انصاف نہیں ہوتا اس میں معاشی بد حالی، قتل، ڈکیتی اور اغواء کے علاوہ اور بھی نئے نئے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ اگر ہم دیکھیں تو ہماری عدالتوں سے انصاف کا جنازہ نکل گیا ہے یا نکال دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے ملک افراتفری کا شکار ہے۔ اگر اس طرف توجہ نہیں کی گئی تو وہ دن دُور نہیں جس دن ہمیں تمام عالم میں رسوائی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

تھا زرد کس کا چہرہ، لہو کون لے اُڑا
پھل کس نے کھائے، اور یہاں بیمار کون تھا(۱۸)

قتیل شفائی بھی ظلم اور بربریت کے خاتمے کو اکیسویں صدی کے چیلنجز میں اہم چیلنج سمجھتے ہیں۔ وہ اس حوالے سے صاف کہتے ہیں کہ دنیا میں اس انسان سے بڑھ کر کوئی منافق نہیں جو ظلم تو سہتا ہے لیکن ظلم کے خلاف آوازِ بغاوت بلند نہیں کرتا۔ ان خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

دنیا میں اس سے بڑھ کے منافق نہیں قتیل
جو ظلم تو سہتا ہے بغاوت نہیں کرتا(۱۹)

آج کل ہم دیکھ رہے کہ مہنگائی نے غریب آدمی کا جینا دوبھر کر دیا، قوم کے ساتھ سراسر ناانصافی ہو رہی ہے، امیر آئے دن ترقی کرتے جا رہے ہیں جب کہ غریب زوال پذیر ہیں، اس ملک کے حساب کتاب کے جادوگروں کے نزدیک ملک ترقی کر رہا ہے لیکن ایک عام آدمی سے پوچھیے تو وہ اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے حاکمِ وقت کو بددعائیں دیتا رہتا ہے۔ سید ضمیر جعفری گویا اس نظام کے نباض ہیں۔ مہنگائی کے طوفان کے حوالے سے کہتے ہیں۔

اس سال کے بجٹ میں کیا کیا نہیں ہے لیکن
کیفیت ایک خاص ڈرامائی آگئی ہے
اکیسویں صدی کی دانائی آتے آتے
بائیسویں صدی کی مہنگائی آگئی ہے(۲۰)

احمد فوادؔ جدید شعرا میں معتبر نام ہے۔انہوں نے بھی اکیسویں صدی کے منظر نامے میں اپنے اشعار میں ان چیلنجز کی طرف اشارہ کیا ہے جو آج ہمیں درپیش ہیں۔وہ باقاعدہ طور پر اپنے خدا سے مکالمہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے خدا تیری دنیا میں یہ کیا ہو رہا ہے کہ لمحہ بہ لمحہ زندگی نام کی شے فنا ہونے والی ہے۔وہ سامراجیت اور ظالم نظام کے خلاف نہ صرف خود آواز بلند کرتے ہیں بل کہ اوروں کو بھی اپنے ساتھ اس کارِ خیر میں شریک کرتے ہیں۔ان کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

زندگی اب ترِا کیا بنے گا

لمحہ لمحہ فنا ہو رہا ہے

کیوں زمانہ ہے گردش میں

اس میں کس کا بھلا ہو رہا ہے

کچھ خبر بھی ہے تجھ کو خدایا

تیری دنیا میں کیا ہو رہا ہے(۲۱)

دورِ جدید کے مسائل میں مزاحیہ شاعروں نے جو کردار ادا کیا ہے وہ بھی اپنی جگہ اہم ہے۔ان شاعروں نے مزاح کے ذریعے سوئی ہوئی قوم کو جگانے کی کوشش کی ہے،وہ اپنی اس کوشش میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کر چکے ہیں۔وہ مزاح ہی مزاح میں تلخ حقائق بیان کرتے ہیں۔خالد مسعود خان کے اشعار میں جہاں ایک طرف ناانصافی کی طرف توجہ دی گئی ہے تو دوسری طرف تعلیم کے ساتھ مذاق کی بھی خبر لے لی ہے،اس طرح رشوت اور اقربا پروری کے علاوہ مسلک سازی کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ناانصافی کے حوالے سے ان کے یہ اشعار درج کیے جا رہے ہیں۔

اے پلاٹوں کے مالک تیری خیر ہو

اے الاٹوں کے مالک تیری خیر ہو

کوئی کوٹھی دلا ! کوئی بنگلہ دلا !

چھاپہ خانہ دلا !کارکانہ دلا !

پمپ پٹرول کا یا سنیما دلا !

بس نہیں کوئی تو بس کا اڈہ دلا !(۲۲)

ہمارے ملک میں دیگر ممالک کی دخل اندازی اور معصوم بن کر یہیں پر قبضہ جمانے کے خواب دیکھنے والے شاید یہ بھول رہے ہیں کہ اس ملک کے لوگ ان کی اولاد ہیں جنہوں نے اس ملک کے لیے تن من دھن کی کی قربانی دینے سے دریغ نہیں کیا۔کشور ناہیدؔ اس نظام کی خرابی چاہنے والوں سے کہتی ہیں کہ ٹھیک ہے اگر ایک طرف مظالم شروع ہیں تو دوسری طرف انقلاب کا راستہ بھی ہموار ہوتا جا رہا ہے۔وہ سمجھتی ہیں کہ ظلم اور ناانصافی اک خاتمہ بھی دورِ جدید کے چیلنجوں میں سے اہم چیلنج ہے۔

انگریزوں کے جاسوسوں نے

بلوہ کرانے کی کوشش میں

خود کو گھائل کر کے

خود ہی شور مچانا عام کیا ہے(۲۳)

یا یہ کہ۔

نظم ”عدل،عدالت،رات اندھیری“

سارے خواہش اور تمنا کے پیکر،

سارے لہجے،سارے تحیر

سارے لپکتے جذبے،خاکستر لگتے ہیں

منبر اور عدالت بھی عنقا لگتے ہیں(۲۴)

راہی کو کہتے ہوئے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اگر ہماری حالت یہ رہی کہ ہر طرف ناانصافی، جبر، ظلم و ستم اور تشدد عام ہو تو مجبوراً اس قوم کے بچے بچے کو انقلاب کا راستہ اپنانا ہو گا۔ ایسا انقلاب جو سب کچھ خس و خاشاک کر دے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ آج جسے ہم اپنے حق سے محروم کرنے جارہے ہیں وہ کل اک انجانے بھیس میں آکر ہم سے بدلہ لے گا اس بدلے کا نام انتقام ہو گا۔

سنسار کی اک گونجتی للکار نہ بن جائے

خاموش شکایت کہیں جھنکار نہ بن جائے

تم جس کے تہِ پا سے زمیں کھینچ رہے ہو

وہ پیڑ کہیں پھیل کے چھتنار نہ بن جائے

تو جس کے قبیلے سے نکل جانے پہ خوش ہے

آئے جو پلٹ کر تو وہ سردار نہ بن جائے (۲۵)

جون ایلیاؔ تو باقاعدہ طور پر انقلاب کا راستہ اپنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ اس لیے اکیسویں صدی کا سب سے بڑا چیلنج دہشت گردی کا خاتمہ ہے۔ ظلم جب حد سے بڑھ جائے تو اس کا زور ٹوٹ جاتا ہے۔ جون ایلیاؔ پہلے سے ہی یہ منظر دیکھتے چلے آرہے ہیں اس لیے صاف کہتے ہیں کہ۔

یہ تو بڑھتی ہی چلی جاتی ہے میعادِ ستم

جُز حریفانِ ستم کس کو پکارا جائے

وقت نے ایک ہی نکتہ تو کیا ہے تعلیم

حاکمِ وقت کو مسند سے اُتارا جائے(۲۶)

اگر ہم غور سے دیکھیں تو سمجھیں گے کہ دورِ جدید کے چیلنجز میں وقت کا اہم چیلنج اتفاق کا قیام ہے۔ فرقوں میں بٹ کر تقسیم ہونا ہمارے لیے خطرے کا باعث ہے۔ اگر خدانخواستہ حالات ایسے رہے تو وہ دن دُور نہیں کہ ہم پر دشمن مسلّط ہو جائے گا۔ فرحت عباس شاہ اپنی نظم ''کچھ سوچے بغیر'' میں اس جراثیم کے حوالے سے یوں کہتے ہیں۔

میرے کچھ غریب اور سہمے ہوئے جاننے والوں نے

اپنے سُنی یا شیعہ ہونے کا برملا اعلان

بند کر دیا ہے

اُنہیں خوف ہے

کسی دوسرے فرقے کا مسلمان بھائی

جنت کے شوق میں اور اپنی درندگی کی

تسکین کی خاطر

۲۷)(انہیں قتل کر دے گا

یہ شیعہ یہ سنی ہے حنفی وہابی

علاوہ ازیں فرقیاں اور بھی ہیں(۲۸)

اکیسویں صدی کے چیلنجز میں ایک اہم اور خطرناک چیلنج مسلک بھی ہے۔

ڈاکٹر آنسہ احمد سعید کے ہاں بھی ایک احساس پایا جاتا ہے، وہ یہ کہ ہمارا پیارا ملک بڑی قربانیوں کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔ ہم تو یہ سمجھتے رہے کہ ہمیں چین و سکون کا مقام ملے گا لیکن کاش کہ ایسا نہیں ہوا، ہمارے ساتھ تو سوتیلی ماں جیسے سلوک سے بھی برا سلوک کیا گیا۔ ہمیں بے گھر کر کے مکاں میں بٹھایا گیا۔ چن چن کر کے ہمارے نوجوانوں کو، بچوں کو اور

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

حتیٰ کہ ہمارے بزرگوں کو بے دردی سے مارا گیا، ہمیں بے سہارا چھوڑا گیا۔اس جبر اور ظلم کے خلاف ہمیں آواز بلند کرنی ہے۔ ظلم کے خلاف بغاوت ہی جدید دَور کے چیلنجوں میں اہم اور مقدم چیلنج ہے۔

میں جس کو چھت پہ کھڑی دیکھتی تھی مدّت سے
وہ چاند نکلا کسی اور آسماں کے لیے
میں اپنے نام کی تختی لگا کے بیٹھی ہوں
کسی نگر میں کسی اور ہی مکاں کے لیے
ایک ایک کر کے سبھی پیڑ کٹ گئے آخر
بچی نہ شاخ کہیں میرے آشیاں کے لی(۲۹)

ویسے تو باہر کی دنیا کا پاکستان کی سر زمین پر نظریں مرکوز ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمارے اپنے بھی اس نظام کو تباہ کرنے میں ملوّث ہیں۔اپنوں کی یہ حالت دیکھ کر دل خون کے آنسو رونے لگتا ہے۔ نجانے کیسے بے رحم حکمران اس سر زمین پر مسلّط ہیں کہ جنہیں اس قوم کے بچوں کے مستقبل کے بارے میں بھی فکر نہیں۔ شاعر کہتے ہیں کہ ویسے نام پہ یہ ملک ہمارا ہے لیکن یہاں جو کچھ ہو رہا ہے اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ یہ برائے نام ہمارا ہے۔ یہاں آئے دن ہمارے ارمانوں کا قتلِ عام ہوتا ہے، ہمیں یہاں سے نکلنے پر مجبور کیا جا رہا ہے، یہ استعماریت نہیں تو کیا ہے۔

وائے حسرتِ یہ زمین و آسماں میرے لیے
میں نہیں بہر جہاں لیکن جہاں میرے لیے
آشیاں مجھ کو بنانے کی اجازت بھی نہیں
یہ بھی کہتے ہیں کہ ہے سب گلستاں میرے لیے(۳۰)

محبوب الٰہی عطا خیبر پختون خوا کی اُردو نظم کا مستند حوالہ ہے۔ وہ دورِ جدید کے مسائل میں اہم مسئلے کی طرف رجوع کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمارا ایک مسئلہ استعماریت ہے۔ وہ ایک حقیقت واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ ملک برائے نام ہمارا ہے، یہاں ہمیں ہمارا حق نہیں دیا گیا، الٹا ہم سے ہمارا سب کچھ چھینا گیا جو سراسر زیادتی اور ظلم ہے، اس لیے وہ استعماریت کے خلاف کہتے ہیں۔

کل اور کا تھا آج کسی اور کا ہے
سر اور کا ہے تاج کسی اور کا ہے
دنیا میں ہے شاہوں کی اجارہ داری
شاہوں پہ مگر راج کسی اور کا ہے(۳۱)

ان اشعار میں باقاعدہ طور پر اکیسویں صدی کے حالات کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ خاص کر آج ہمیں جن مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، ان کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ ایک فرد کو ملک کا بیڑا غرق کرنے کے لیے چنا پڑا، جس کا خمیازہ ابھی تمام قوم کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔ بشریٰ رحمان کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر حالات ایسے رہے اور ہم نے ان حالات سے سبق حاصل نہیں کیا تو ہماری آنے والی نسل ہمیں کبھی بھی معاف نہیں کرے گی۔

فردِ اِک ڈھونڈا گیا فرمانروائی کے لیے
عام انسانوں کی مخلص راہنمائی کے لیے
کام وہ آیا تو آیا بے وفائی کے لیے
ایک مہمل اور جگ ہنسائی کے لیے(۳۲)

احمد فواد غربت خانزم اور ناانصافی کے حوالے سے اپنی نظم

نظم ''زندگی کیا ہے۔۔۔'' میں صاف کہتے ہیں کہ نجانے یہ کیسا ظلم ہو رہا ہے جس نے سب کو اپنی لپیٹ میں لیا ہے، گھر جل رہے ہیں، آبادیاں تباہ ہو رہی ہیں م، پھول جیسے بچے خاک میں مل رہے ہیں، ہر طرف افراتفری ہے، ایسے میں بے چاری عوام جائے تو کہاں جائے ؟اس لیے وہ سمجھتے ہیں کہ اکیسویں صدی کے چیلنجز میں دہشت گردی، خوف اور افلاس کے خاتمے کے ساتھ امن کا قیام ہمارے لیے چیلنز ہیں۔

اک طرف جلتے ہوئے گھر ہیں
جہاں بچوں کی کمھلائی ہوئی چیخیں ہیں
خاک میں پھولوں کی مٹتی ہوئی تحریریں ہیں
دوسری سمت فصیلوں میں کہیں قید خوشی
جاں بلب ننگے بدن ہنستی ہے اک مفلس وقلاش ہنسی
کھوکھلی سنگدل اوباش ہنسی(۳۳)

بسملؔ کا شمار بھی دور، جدید کے مسائل سمجھانے والے شعرا میں ہوتا ہے۔انہوں نے اپنے اشعار میں آج کے حالات کی پیش گوئی کی۔ان کے ذیل کے اشعار میں ہو بہو وہ باتیں بیان ہوئیں ہیں جو آج کل ہو رہی ہیں۔ بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ کتنی ذلالت کے ساتھ ہمارے بعض غدّار حکمران اس ملک کا سودا کر رہے ہیں، ان کے ضمیر مردہ ہیں۔ ایسے بے ضمیر لوگ اپنے آقاؤں کی خواہشات پوری کرتے ہیں اور خود رسوا ہو کر بھی شرم محسوس نہیں کرتے۔بسملؔ کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

اِک نگاہِ ناز کا طالب ہوں گر منظور ہو
آیئے جان و جگر حاضر ہیں سودا کیجیے
آپ کے شایاں یہی ہے آپ پردے میں رہیں
میں اسی قابل ہوں، مجھ کو خوب رسوا کیجیے(۳۴)

کشور ناہید کی نظر ملک کا نظام سنبھالنے والوں پر ہے، اس لیے تو وہ صاف کہتی ہیں کہ ایسا نظام جس میں غریبوں کے گلے کاٹے جائیں، انسانوں کی خرید وفروخت سرِ عام جاری ہو اور حکمران طبقہ کی عیاشیاں زوروں پر ہوں تو ایسے نظام میں بھلا کس کا جی لگے گا۔ کیا معاشرے کے لوگ ایسے نظام کے خلاف علمِ بغاوت بلند نہیں کریں گے ؟ضرور ایسا ہی ہوگا، مگر ڈر تو یہ ہے کہ پھر ان ظالموں کا حشر کیا ہوگا۔ وہ اپنی ظم '' اے میری قوم !میری بنتی سن'' میں کہتی ہیں۔

سارے ملک کے سارے افسر
راشی، شرابی اور بدکردار ہو جائیں
وہ نہیں بولیں گے
ہر ہر قدم پہ گلے کاٹے جائیں
لوگ خریدے اور بیچے جائیں
وہ نہیں بولیں گے(۳۵)

بشریٰ رحمان کو گویا ان حالات کا پہلے سے بتا تھا جو آج ہمیں درپیش ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس ملک میں کیا کیا نہیں ہوا، یہاں کے لوگوں کے ایمان کا پتا تک معلوم نہیں۔ یہاں تو دشمن ایسی صفائی سے اپنا کام کرتا ہے کہ لوگ حیران رہ جاتے ہیں۔ پتا نہیں ہمیں کس قسم کے لوگوں سے پالا پڑا ہے کیوں کہ یہ ملک تو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا، اب نہ جانے یہ کیا ہو رہا ہے۔

کلمہ پڑھیں ہم اور کا
ایمان کوئی اور ہے
مضمون بالکل دوسرا

عنوان کوئی اور ہے

تھی ٹیم یہ کوئی اور سی

کپتان کوئی اور ہے(۳۶)

دوسروں کی خوشی کے لیے اپنوں کو مارنا کہاں کی دانائی ہے؟ شاعر اس بات کو واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اغیار کو خوش کرنے کے واسطے اپنے بچے یتیم کرنا، اپنی عورتوں کو بیوہ بنا دینا اور اپنے ہی آنگن کو اجاڑ نا دانائی نہیں بل کہ تباہی کی طرف لے جانے والے منصوبے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔

خود اپنی ہی مخلوق کو برباد کرو گے

افسوس کی یہ بات ہے حیرت کی جگہ ہے(۳۷)

یوں اس ملک میں دہشت گردی اور مصنوعی قحط کے حوالے سے ان کا اپنا قائم کردہ نظریہ ہے۔ سنو اہلِ گلشن، لہو کی کہانی'' میں وہ کہتے ہیں کہ بد قسمتی سے ہم جس ملک میں رہتے ہیں وہاں نہ تو زندہ رہنے کے لیے روٹی ہے نہ کپڑا اور نہ ہی مکان۔ اب تو اس ملک میں عزت سے رہنا بھی محال ہو گیا ہے۔ وہ ان حالات کے ذمہ داروں سے مخاطب ہیں کہ آخر اس ملک کا بنے گا کیا۔ ان کی نظم سے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں۔

گلوں کی کہانی، گلوں کی زبانی

چمن میں پریشاں ہے راتوں کی رانی

ہے روٹی نہ کپڑا، مکان ہے نہ پانی

ہوا، اب تو مشکل ہے عزت بچانی

سنو اہلِ گلشن، لہو کی کہانی(۳۸)

دورِ جدید کے چیلنجز میں اہم در پیش چیلنج امن کا قیام ہے۔ اکیسویں صدی کے پس منظر میں کافی شعرا نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔ ان شعرا میں احمد فراز بھی ہیں۔ اس حوالے سے وہ بھی امن کے خواہاں ہیں، کہتے ہیں کہ اب امن کے قیام کے لیے نیا انسان ڈھونڈنا پڑے گا، مطلب یہ کہ آج کے انسان نے خود کو بدلنا ہو گا، اس خطہ میں علم کے ذریعے امن قائم کرنا ہو گا کیوں کہ بندوق کے ذریعے یا دہشت گردی کے ذریعے امن کا تصور ہی ناممکن ہے، ہم نے قلم کے ذریعے ہر قسم کی جنگ جیتنی ہو گی، یہی ہمارے لیے دورِ جدید کے چیلنجز ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔

ہمیں کو توڑنے ہوں گے صنم قدامت کے

ہمیں اب نیا انسان ڈھالنا ہو گا

ہمیں کو اپنے قلم کی ستارہ سازی سے

ہر ایک خطہ تیرہ اجالنا ہو گا

ہمیں کو امن کے گیتوں کے میٹھے بولوں سے

مہیب جنگ کی آندھی کو ٹالنا ہو گا(۳۹)

بربادی کے منظار کو پیش کرتے ہوئے شاعر نے انتہائی رُلا دینے والے انداز میں اپنے وطن کے لوگوں سے پوچھا ہے کہ کیا میرے وطن میں اب بھی کوئی انسان زندہ ہے؟ وہاں گھر آباد ہیں یا سب کچھ بارود کے دھوئیں میں دھواں بن کر اڑ گیا۔ انتہائی پریشانی اور بے بسی کے عالم میں اپنے ہی وطن کا رونا روتے ہوئے زیڈ اے بخاری اپنے ہم وطنوں کے نباض ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ یہ بربادی ہی اصل میں اکیسویں صدی کے چیلنجوں میں ایک چیلنج ہے جسے ہمیں جلدی روکنا چاہیے وگرنہ اس کے بھیانک نتائج حاصل ہوں گے۔ ں نے جو کچھ بھی کہا۔

اے میرے شہر سے آنے والو کچھ تو کہو ہاں کچھ تو کہو

اس شہر کے گھر آباد ہیں یا آباد ہیں زنداں کچھ تو کہو(۴۰)

احمد فراز ؔکے ہاں جدید دَور میں علم کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ وہ اس بارے میں ایک اُمید کے سہارے لوگوں کو کہتے ہیں کہ قلم کا سفر کبھی بھی رائیگاں نہیں جاتا۔اکیسویں صدی علوم کی صدی ہے، یہ ایجادات کی صدی ہے، یہ تحقیق کی صدی ہے اور یہ صدی دنیا میں انقلابات لانے کی صدی ہے، اس لیے فراز ؔکہتے ہیں کہ اے میرے ہم وطنو! اگر تم نے بھی نئی صدی کی ترقی میں اپنا حصہ ڈالنا ہے تو یہ تعلیم ہی کی بدولت ممکن ہے۔ وہ کہتے ہیں۔احمد فراز ؔعلم کے حوالے سے کہتے ہیں۔

تمام عمر کی ایذا نصیبوں کی قسم

مرے قلم کا سفر رائیگاں نہ جائے گا(۴۱)

غلام محمد قاصر ؔاکیسویں صدی کے ابھرتے ہوئے شاعر ہیں۔ وہ بھی اس صدی کے پس منظر میں تعلیم کو اہمیت دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ کاش آج بارود کے بجائے میرے بچوں کے ہاتھ میں کتاب آجائے تو کتنی اچھی بات ہو گی۔ وہ اکیسویں صدی میں تعلیم کو بڑا چیلنج قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت میرے بچے کے ہاتھوں میں قلم کے بجائے بندوق دیا جاتا ہے جس سے ایک طرف تو میری بدنامی ہوتی ہے دوسری طرف میری قوم تباہ ہو جاتی ہے۔ان خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

بارود کے بدلے ہاتھوں میں آجائے کتاب تو اچھا ہو

اے کاش ہماری آنکھوں کا اکیسواں خواب تو اچھا ہو

ہر سال کی آخری شاموں میں دو چار ورق اڑ جاتے ہیں

اب اور نہ بکھرے، رشتوں کی بوسیدہ کتاب تو اچھا ہو(۴۲)

سر سید احمد خان نے کہا تھا کہ آپ مجھے تعلیم یافتہ ماں دیجیے میں آپ کو تعلیم یافتہ قوم دے دوں گا۔انہوں نے اس قوت دورِ جدید کے چیلنجز میں عورت کی تعلیم کو اہم چیلنج قرار دیا تھا۔ان کی ہم خیال صبا جاوید بھی عورتوں کی کے حق میں کہتی ہیں کہ میں علم ہی کے ذریعے اپنی منزل خود تلش کرلوں گی اور وہ دن دُور نہیں جب چاہتوں کے نئے سویرے میرے آس پاس ہی ہوں گے۔ وہ اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتی ہیں۔

سفر کروں گی سفر کروں گی

تلاش کرلوں گی ایک دن میں

ضرور ایسا نگر یہاں

وہ خوب صورت سا ایک لمحہ

ضرور آئے گا زندگی میں

کہ چاہتوں کے نئے سویرے

یہیں میرے آس پاس ہوں گے(۴۳)

ویسے تو ہمارے ملک میں رائج تعلیمی نظام کا مذاق اُڑایا جارہا ہے۔اس ضمن میں جس کا کس طرح جی چاہے تعلیم کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔نہ تو یہاں کوئی مربوط تعلیمی نظام ہے اور نہ ہی کوئی معیاری پالیسی، تعلیمی پالیسیاں سیاست کی بھینٹ چڑھ جاتی ہیں۔ملک میں تعلیم کے ساتھ شروع مذاق کے حوالے سے خالد مسعود خان کہتے ہیں۔

قلم دو چار ایسے ہی لگا لیتا ہوں جیبوں میں

مرے احباب میں اس سے مری توقیر بڑھتی ہے

کبھی لکھنے لکھانے کی تو نوبت ہی نہیں آتی

میں ناڑا ڈال لیتا ہوں ضرورت جب بھی پڑتی ہے(۴۴)

گل بخشالوی ؔمردان کے رہنے والے عوام دوست شاعر ہیں۔ وہ دورِ جدید کے چیلنجز میں ایک بہت بڑا چیلنج اُردو زبان کو درپیش خطرہ بھی سمجھتے ہیں۔اُردو زبان دنیا کی دیگر زبانوں کے مقابلے میں نمایاں مقام کی حامل ہے۔ایک طرف اگر یہ زبان دنیا بھر میں اپنی عظمت کے حوالے سے اپنی پہچان رکھتی ہے تو دوسری طرف اس کے دشمن بھی اس خلاف پرو

پیگنڈے کرتے ہیں۔اس لیے گل بخشالوی اُردو زبان کی قدامت کے حوالے سے اس کی تاریخی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ ہماری پہچان ہے اور ہمیں اس کی قدر کرنی چاہیے۔اُردو زبان کے حوالے سے وہ کہتے ہیں۔

اُردو دنیا بھر میں اپنی عظمت بھی پہچان بھی ہے
اس کو ہم گلزار رکھیں یہ شان ہماری آن بھی ہے
باغ ہمارا اُردو ہے گل باغ کے مالی سوچیں ہم
مغرب میں بچوں سے اپنے گھر میں اُردو بولے ہم(۴۵)

مختصر یہ کہ اُردو شعرا کی اکیسویں صدی پر گہری چھاپ نظر آتی ہے،اوپر مذکورہ شعرا اور ان کے کلام سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح ہمیں آئے روز دیکھنے کو ملتا ہے کہ اس ملک میں کیا کیا نہیں ہو رہا،ان واقعات کو شعرا نے ہر لمحہ نہ صرف محسوس کیا بل کہ انہیں اپنے کلام میں بیان کر کے آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ بھی کیا۔یہی وجہ ہے کہ آج جب ہم دنیا کی ترقی و تنزل کو دیکھتے ہیں تو ہمیں یہی شعرا اور ان کا کے کلام میں وہ پیش گوئیاں جو انہوں نے کیں، نظر آتی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ مجموعہ تنقیدات۔پروفیسر آل احمد سُرور۔مرتبہ۔عاصمہ وقار۔الوقار پبلی کیشنز،لاہور۔۲۰۰۳ ص۔۷۸
۲۔ میں پہلے جنم میں رات تھی۔کشور ناہید۔سنگِ میل پبلی کیشنز،لاہور ص۔۱۵
۳۔ میں نے جو کچھ بھی کہا۔زیڈ اے بخاری۔نیشنل بک فاؤنڈیشن،اسلام آباد ۲۰۰۰ ص۔۱۵۶
۴۔ صندل میں سانسیں جلتی ہیں۔بشریٰ رحمان۔تکبیر پرنٹرز،لاہور ۲۰۰۲ ص۔۹۴
۵۔ تو خوش نصیبی ہے میری۔وصی شاہ۔اشتیاق مشتاق پرنٹرز،لاہور ۲۰۱۳ ص۔۱۵۹
۶۔ چراغ گل نہ کرو۔شجاعت علی راہی۔ماوُرا پبلشرز،۶۰دی مال،لاہور ۲۰۰۹ ص۔۴۶
۷۔ ادھورے خواب۔گل بخشالوی۔بخشالوی پبلیکیشنز،بخشالوی سٹریٹ جی ٹی روڈ کھاریاں۔۲۰۱۵ ص۔۱۵۱
۸۔ صندل میں سانسیں جلتی ہیں۔بشریٰ رحمان۔تکبیر پرنٹرز،لاہور ۲۰۰۲ ص۔۹۳
۹۔ سفرِ لاحاصل۔ڈاکٹر آنسہ احمد سعید۔مثال پبلشرز،رحیم سینٹر،پریس مارکیٹ،امین پور بازار،فیصل آباد ۲۰۱۴ ص۔۸۰
۱۰۔ شمع ہر رنگ میں جلتی ہے۔حمیرہ شمع رضوی۔شرکت پریس،لاہور۔۲۰۰۲ ص۔۵۸
۱۱۔ ادھورے خواب۔گل بخشالوی۔بخشالوی پبلیکیشنز،بخشالوی سٹریٹ جی ٹی روڈ کھاریاں۔۲۰۱۵ ص۔۱۸۴
۱۲۔ مجموعہ تنقیدات۔پروفیسر آل احمد سُرور۔مرتبہ۔عاصمہ وقار۔الوقار پبلی کیشنز،لاہور۔ص۔۳۷۴
۱۳۔ خیبر پختون خوا میں اُردو ادب۔گوہر رحمان نوید یونیورسٹی پبلشرز،پشاور ۲۰۲۰ ص۔۱۲۶
۱۴۔ دیکھا جو تیر کھا کے۔مظفر وارثی۔علم و عرفان پبلشرز،اُردو بازار لاہور۔۲۰۰۱ ص۔۱۱۴
۱۵۔ مسدس بدحالی۔سید ضمیر جعفری۔دوست پبلی کیشنز،اسلام آباد ۲۰۰۱ ص۔۲۳۳
۱۶۔ میں پہلے جنم میں رات تھی۔کشور ناہید۔سنگِ میل پبلی کیشنز،لاہور ۱۹۹۸ ص۔۲۵
۱۷۔ خیبر پختون خوا میں اُردو ادب۔گوہر رحمان نوید یونیورسٹی پبلشرز،پشاور ۲۰۲۰ ص۔۱۳۳
۱۸۔ چراغ گل نہ کرو۔شجاعت علی راہی۔ماوُرا پبلشرز،۶۰دی مال،لاہور ۲۰۰۹ ص۔۱۴۷
۱۹۔ قتیل شفائی۔انتخاب قتیل شفائی۔الحمد پبلی کیشنز،لاہور (تیسری اشاعت)۲۰۰۳ ص۔۱۰۶
۲۰۔ مسدس بدحالی۔سید ضمیر جعفری۔دوست پبلی کیشنز،اسلام آباد ۲۰۰۱ ص۔۹۸

۲۱۔ایک جانب چاندنی۔احمد فوادؔ۔شعیب سنز پبلشرز اینڈ بکسیلرز جی ٹ روڈ مینگورہ، سوات،۲۰۰۷ ص۔۱۵

۲۲۔نتخب مزاحیہ شاعری۔خالد مسعود خان۔بُراق پبلی کیشنز،لاہور، سن اشاعت۔ندارد ص۔۱۱۱

۲۳۔میں پہلے جنم میں رات تھی۔کشور ناہیدؔ۔سنگِ میل پبلی کیشنز،لاہور۱۹۹۸ ص۔۵٦

۲۴۔ایضاً ص۔۴۵

۲۵۔چراغ گل نہ کرو۔شجاعت علی راہیؔ۔ماوُرا پبلشرز،۶۰دی مال،لاہور ۲۰۰۹ ص۔۸۲

۲۶۔شاید۔جون ایلیا۔حاجی حنیف پرنٹرز،لاہور۔۲۰۱۷ ص۔۱۹۵

۲۷۔ہم اکیلے بہت ہیں۔فرحت عباس شاہؔ۔ماورا پبلی کیشنز،لاہور ۲۰۰۱ ص۔۱۲۸

۲۸۔منتخب مزاحیہ شاعری۔خالد مسعود خان۔بُراق پبلی کیشنز،لاہور، سن اشاعت۔ندارد ص۔۸۹

۲۹۔سفرِ لاحاصل۔ڈاکٹر آنسہ احمد سعید۔مثال پبلشرز،رحیم سینٹر،پریس مارکیٹ،امین پور بازار،فیصل آباد ۲۰۱۴ (ص۔۵۴،۵۳)

۳۰۔کلیات بسملؔ۔نواب سجّاد علی خان۔سنگِ میل پبلی کیشنز،لاہور۔۲۰۱۴ ص۔۸۱،۸۰

۳۱۔خیبر پختون خوا میں اُردو ادب۔گوہر رحمان نوید یونیورسٹی پبلشرز،پشاور ۲۰۲۰ ص۔۳۸۱

۳۲۔صندل میں سانسیں جلتی ہیں۔بشریٰ رحمان۔تکبیر پرنٹرز،لاہور ۲۰۰۲ ص۔۱۷۹

۳۳۔ایک جانب چاندنی۔احمد فوادؔ۔شعیب سنز پبلشرز اینڈ بکسیلرز جی ٹ روڈ مینگورہ، سوات،۲۰۰۷ ص۔۵۹

۳۴۔کلیات بسملؔ۔نواب سجّاد علی خان۔سنگِ میل پبلی کیشنز،لاہور۔۲۰۱۴ ص۔۷۱،۷۰

۳۵۔میں پہلے جنم میں رات تھی۔کشور ناہیدؔ۔سنگِ میل پبلی کیشنز،لاہور۱۹۹۸ ص۔۲۱

۳۶۔صندل میں سانسیں جلتی ہیں۔بشریٰ رحمان۔تکبیر پرنٹرز،لاہور ۲۰۰۲ ص۔۱۶٦،۱٦۵

۳۷۔یک جانب چاندنی۔احمد فوادؔ۔شعیب سنز پبلشرز اینڈ بکسیلرز جی ٹ روڈ مینگورہ، سوات،۲۰۰۷ ص۔۱۲۷

۳۸۔ادھورے خواب۔گل بخشالوی۔بخشالوی پبلیکیشنز، بخشالوی سٹریٹ جی ٹ روڈ کھاریاں۔۲۰۱۵ص۔۱۴۹

۳۹۔خیبر پختون خوا میں اُردو ادب۔گوہر رحمان نوید یونیورسٹی پبلشرز،پشاور ۲۰۲۰ ص۔۱۳۴

۴۰۔زیڈاے بخاری۔نیشنل بک فاؤنڈیشن،اسلام آباد ۲۰۰۰ ص۔۱۵۵

۴۱۔خیبر پختون خوا میں اُردو ادب۔گوہر رحمان نوید یونیورسٹی پبلشرز،پشاور ۲۰۲۰ ص۔۱۳۲

۴۲۔غلام محمد قاصرؔ۔دریائے گماں۔فطرت پبلی کیشنز لاہور،۱۹۸۸ ص۔۱۰۳

۴۳۔خیبر پختون خوا میں اُردو ادب۔گوہر رحمان نوید یونیورسٹی پبلشرز،پشاور ۲۰۲۰ ص۔۱۴۴

۴۴۔اے دوست مری میز پر۔منتخب مزاحیہ شاعری۔خالد مسعود خان۔بُراق پبلی کیشنز،لاہور، سن اشاعت۔ندارد ص۔۸٦

۴۵۔سوات کی سوغات۔گل بخشالویؔ۔شرکت پرنٹنگ پریس،لاہور۔۲۰۱۳ ص۔۱۰